ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

"پروانہ پندار" میں علوم بلاغت کے نمونوں کا تجزیاتی مطالعہ

ANALYTICAL STUDY OF RHETORICAL EXPRESSIONS IN PARWANA-E-PINDAR

Ramisa Batool
PhD Scholar, Department of Persian, GC University Lahore
Dr. Muhammad Iqbal Shahid
Professor Emeritus, Department of Persian, GC University Lahore

Abstract

The Book "Parwana-e-Pindar" is a collection of Persian Poems written by Syed Muhammad Akram Ikram, a modern poet from the Sub-Continent. In this Book, The Poet uses beautiful and meaningful language mixed with different literary and rhetorical styles. This research studies the sickness of his poetic language and look closely at the expressive, visual and artistic sides of his poetry. It also explains how the poet uses rhetorical tools like metaphors and similes to express his thoughts and emotions. The findings show that "Parwana-e-Pindar" is an important work in modern Persian poetry of subcontinent. It is not only valuable for its meaning but also for its artistic and rhetorical style. The book keeps the Old Persian poetic traditions alive in a new and creative way.

Keywords:

Rhetoric, Persian Contemporary Poetry, Sub-continent, Syed Muhammad Akram Ikram, Parwana-e-Pindar

خلاصہ: کتاب ''پروانہ پندار'' سید محمد اکرم اکرام جو کہ فارسی شاعر ہیں کے فارسی اشعار کا مجموعہ ہے۔ان کے اشعار میں زبان و بیان کی خوبیوں، بلاغتی آرائشی طریقوں اور ادبی صنعتوں کو بخوبی سمویا گیا ہے۔ یہ تحقیق اس مجموعے کا بلاغتی تجزیہ پیش کرتی ہے جس میں استعارہ، تشبیہ، کنایہ، ابہام، تلمیح اور تضاد جیسے فنی عناصر کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ پروانہ پندار فارسی شاعری میں ایک نمایاں اور اہم مقام رکھتی ہے یہ نہ صرف مواد کے لحاظ سے قابل توجہ ہے بلکہ یہ کلاسیکی بلاغت کی روایت کو ایک نئے اور تخلیقی انداز میں پیش کرتی ہے۔

کلیدی الفاظ: بلاغت شعری، معاصر فارسی شاعری، برصغیر، سید محمد اکرا اکرام، پروانہ پندار

مقدمہ:

ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام پاکستان کے فارسی زبان و ادب کے بڑے استاد ہیں۔ وہ فارسی، اُردو اور پنجابی میں اشعار کہتے اور کلاسیکی شاعری تخلیق کرتے رہے۔ بطور محقق اور مصنف ان کا شمار برصغیر ہی نہیں بلکہ پوری فارسی دنیا کے اہم اہلِ قلم میں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر اکرام کی پیدائش ۶ دسمبر ۱۹۳۲ء کو ضلع اٹک کے ایک قصبے ''مونگھانوالا'' میں ہوئی۔(۱) ان کے والد بزرگوار کا نام ''سید محمد مالک'' ہے۔ ان کے والد اپنے گاؤں کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔ یہ گاؤں لاہور سے تقریباً ۵۰ کلومیٹر شمال کی طرف واقع ہے۔(۲)

ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے وہ ۱۹۵۳ء میں لاہور آئے۔ ایف سی کالج سے ۱۹۵۸ء میں گریجویشن مکمل کی۔ بعدازاں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فارسی ادب میں ماسٹرز کیا۔(۳)

سید فرزند علی جو کہ ایف سی کالج میں فارسی زبان کے استاد اور ایک ادبی آدمی تھے۔ انھوں نے ہونہار طالب سید محمد اکرم علم کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ ڈاکٹر سید محمد اکرم اس وقت تھوڑی تھوڑی فارسی شاعری کرتے تھے۔

سید محمد اکرم نے پنجاب یونیورسٹی لاہور میں فارسی زبان و ادب میں ماسٹر ڈگری کے لیے داخلہ لیا اور ۱۹۶۰ میں اپنی ڈگری کامیابی سے مکمل کی۔(۴)

۱۹۵۹ میں ایران کے وزیراعظم ڈاکٹر منوچر اقبال اور صدر تہران یونیورسٹی پاکستان آئے اور ایک وفد کے ہمراہ پنجاب یونیورسٹی لاہور گئے۔ پروفیسر بدیع الزماں فروزانفر اور استاد جلال ھمایی بھی وفد کے رکن تھے۔ سید محمد اکرم اس وقت پوسٹ گریجویٹ طالب علم تھے۔ ایرانی مہمانوں کے اعزاز میں ایک اجلاس کی انعقاد کیا گیا اور سید محمد اکرم نے فارسی کے وہ اشعار سنائے جو انہوں نے لکھے تھے۔(۵)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.4, 2025

ای خوشا لطفِ بیان فارسی
حرفِ دل گوید زبان فارسی(۶)

ڈاکٹر منوچہر اقبال اس خوبصورت نظم کو سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی مجلس میں اعلان کیا کہ شاعر کو وظیفہ دیا جائے اسی طرح سید محمد اکرام ایران چلے گئے اور ۱۹۶۳ میں فارسی زبان و ادب میں ڈاکٹریٹ مکمل کی ان کے مقالے کا موضوع تھا "اقبال کی شاعری پر مولانا جلال الدین رومی کے فن اور فکر کا اثر"۔(۷) جو بعد میں پاکستان میں "اقبال آن پاتھ آف رومی" کے نام سے شائع ہوا۔(۸)

تہران یونیورسٹی میں انہوں نے ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، ڈاکٹر محمد معین، پروفیسر سید صادق اور ڈاکٹر سید حسین نصر جیسے عظیم پروفیسروں کی موجودگی سے استفادہ کیا۔(۹)

سید محمد اکرم ۱۹۶۴ میں شعبہ فارسی زبان وادب، فیکلٹی آف اورینٹل اسٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بطور لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۰ میں اسسٹنٹ پروفیسر، ۱۹۷۷ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور ۱۹۸۲ میں پروفیسر بنے۔ بالآخر ۵ دسمبر ۱۹۹۲ کو ساٹھ سال کی عمر میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں اقبال اسٹڈیز کے سربراہ کے طور پر مقرر کیا گیا اور زندگی بھر بس اس عہدے پر اپنی تحقیقی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ وہ ۲۰ اگست ۲۰۲۲ کو انتقال کر گئے۔(۱۰)

خدمات:

ڈاکٹر سید محمد اکرم نے پنجاب یونیورسٹی گوجرانوالہ میں خدمات انجام دیں۔(۱۱) انہوں نے عالمی کانفرنسوں میں شرکت کی اور علمی و تحقیقی مقالات پیش کیے۔ ان کے فارسی اور اُردو مضامین میں معتبر ایرانی اور پاکستانی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ وہ ایران کے مشہور اقبال شناس محمد بقائی ماکان کے مقالہ "تاثیر مولوی بر اقبال" اور "اقبال و تصوف" کو فارسی سے اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کر چکے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے پاکستانی اور غیر ملکی محققین وطلبہ کو بہت سے علمی رہنمائی فراہم کی۔

ڈاکٹر سید محمد اکرم ۲۰۱۱ میں حج و زیارت مدینہ منورہ سے بھی مشرف ہوئے۔ وہ سچے عاشق رسول ﷺ، اہلِ بیت رسول ﷺ اور حضرت علیؓ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ وہ دین دار صوفی اور سلسلہ قادریہ چشتیہ سے وابستہ تھے۔ ان کی نیک سیرت نے ان کے ساتھیوں اور شاگردوں کے دلوں میں خاص مقام پیدا کیا وہ اخلاقی صفات جیسے عاجزی، انکساری، محبت اور خوش اخلاقی کے حامل تھے۔(۱۲)

آثارِ شعر:

۱۔ آئینہ آفاق (اردو)
۲۔ حرفِ حرم (اردو)
۳۔ سکہ عشق (فارسی)
۴۔ پروانۂ پندار (فارسی)
۵۔ محرابِ محبت (فارسی)
۶۔ سفینۂ سخن (فارسی)

آثارِ نثر:

۱۔ دادِ سخن (نقد)
۲۔ فارسی در پاکستان (نقد)
۳۔ سراجِ منیر (نقد)
۴۔ تنبیہ الغافلین (نقد)
۵۔ اقبال ایک تحریک (اقبال شناسی)
۶۔ اقبال کا ملی تشخص (اقبال شناسی)
۷۔ اقبال در راہِ مولوی (اقبال شناسی)
۸۔ اقبال اور جہانِ فارسی (اقبال شناسی)

۹۔ اقبال مشرق کا بلند ستارہ (اقبال شناسی)

۱۰۔ دائرہ معارفِ پاکستان (مرجع)

۱۱۔ آثار الاولیاء (مرجع شناسی)

۱۲۔ آثار الشعراء (مرجع شناسی)

۱۳۔ آثارِ علماء (مرجع شناسی)

۱۴۔ تاجِ اولیاء (تذکرہ)

شعری کتاب ''پروانہ پندار'' کا تعارف:

ڈاکٹر سعید نفیسی اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں: اس کتاب میں جمع کی گئی نظمیں اور وہ اشعار جو اس دفتر (مجموعے) میں شامل ہیں۔ جناب محمد اکرم شاہ کے چمکدار ذوق، نازک فہم اور لطیف طبیعت کا شاندار مظہر ہے۔ ان کا تخلص ''اکرام'' ہے۔ یہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک طالب علم ہے جو کہ تہران یونیورسٹی میں شعبہ زبان و ادبیات فارسی میں اپنے ڈاکٹریٹ پروگرام میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جب پہلی بار میں نے ان کی نظموں کو پڑھا تو میرا دل خوشی اور حیرت سے بھر گیا۔ میں پریشان تھا کہ اس سرزمین میں فارسی شاعری کا وہ قدیم اور شاندار شعلہ جو صدیوں سے برصغیر کی اسلامی ثقافت کا ایک لازم و ملزوم حصہ رہا ہے اب دم توڑنے والا ہے۔ لیکن پروفیسر اکرام کی نظموں نے اپنی مثالی طاقت اور تازگی کے ساتھ اس تشویش کو بالکل دور کر دیا۔

بلاشبہ ہندوستان اور پاکستان میں فارسی شاعری غزنویوں کے زمانے سے لے کر اکبر شاہ کے دور تک، بیدل اور غالب سے لے کر اقبال تک ایک بھرپور اور شاندار تاریخ ہے۔ تاہم جو چیز اکرام کی نظموں کو منفرد بناتی ہے وہ نہ صرف اس روایت کا تسلسل ہے بلکہ جدت اور اصلیت بھی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب اس خطے میں فارسی شاعری دور دراز اور تخیلاتی تصویروں کے ساتھ ہندوستانی اسلوب کی طرف زیادہ جھکتی نظر آتی ہے اس معزز شاعر کی نظمیں روانی، ٹھوس ساخت، انسانی اور صوفیانہ موضوعات پر گہری نظر کے ساتھ لکھی گئی ہیں جو کہ ایرانی شاعروں کے اسلوب کے قریب ہیں۔

اگرچہ اس سرزمین میں فارسی شاعروں کی تعداد ماضی کے مقابلے میں مقداری لحاظ سے کم ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ معیار کے لحاظ سے جناب اکرام کی نظمیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ روشنی ابھی تک جاری ہے اور شاید ہمارے زمانے میں نئی جھلکوں نے بہت سی جغرافیائی سرحدوں کو دھندلا کر دیا ہے۔ محمد اکرام کی شاعری میں جدیدیت ایک قیمتی اور امید افزا نعمت ہے۔

برصغیر کے شاعروں میں جن کے اشعار ایرانی اسلوب کے قریب تھے شبلی نعمانی اور گرامی ہے۔ اب میں اعتماد کے ساتھ محمد اکرم شاہ اکرام کا نام بھی ان میں شامل کر سکتا ہوں۔ ان کی زبان دل کی زبان ہے اور ان کے خیالات روح سے جنم لیتے ہیں۔ ان کا اظہار خلوص اور فن کی عکاسی کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ ہمارے پاکستانی بھائیوں میں فارسی ادب کے ممتاز نقادوں میں سے ایک ہیں اور وہ اس اعزاز کے مستحق ہیں کیونکہ اپنے کاموں سے انھوں نے ایک بار پھر ایران، ہندوستان اور پاکستان کے درمیان دیرینہ ثقافتی تعلقات میں نئی جان ڈالی ہے۔

تلمیح:

جب کسی مشہور واقعے، قصے، تاریخی یا دینی بات کی طرف اشارہ کیا جائے بغیر اس کا نام لیے تو اسے تلمیح کہتے ہیں۔ (۱۳)

آواز انا الحق رسد از کنگرہ عرش

پنہاں شدہ منصور کہ او رانشناسی (۱۴)

اس شعر میں منصور الحلاج کی مشہور کہانی کا واضح اشارہ ہے۔ انا الحق ایک ایسا جملہ ہے جو حلاج نے فنا اور وحدانیت کی حالت میں کہا تھا۔

تو ای مسیح نفس ازرہ کرم برخیز

مریض عشق دم واپسین کشید بیا (۱۵)

اس شعر میں ''مسیح نفس'' کی ترکیب حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے۔

جو بیماروں اور مردوں کو شفا دیتے اور زندہ کرتے تھے۔ یہاں شاعر اس تمثیل کو استعمال کرتے ہوئے عشق کو ایسی قوت کے طور پر استعمال کرتا ہے جو روحِ مردہ کو زندہ کر دیتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

در کمند آوردہ ام جبریل را

دام بھر صید یزدان می زنم (۱۶)

اس شعر میں شاعر نے وحی کے فرشتے جبرئیل کی طرف اشارہ کیا ہے جو اسلامی ثقافت میں خدائی علم اور قدرت کا مجسم ہے۔ شاعر شاعرانہ دلیری کے ساتھ کہتا ہے کہ اس نے جبرئیل کو بھی پھندے میں پکڑ لیا ہے اب اسے پکڑنے کا ارادہ ہے۔

استعارہ:

استعارہ میں کسی مشترک قدر کی بنیاد پر کسی ایک چیز کے لیے کسی دوسری چیز کی خوبی یا خامی کو ادھار لیا جاتا ہے اس میں تشبیہ کا تعلق تو موجود ہوتا ہے۔ اگر استعارہ اور تشبیہ میں فرق کیا جائے تو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تشبیہ میں کسی مشترکہ خوبی یا خامی کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز جیسا قرار دیا جاتا ہے جبکہ استعارہ میں مشترک خوبی یا خامی کی بنیاد پر ایک چیز کو ہو بہو دوسری چیز قرار دیا جاتا ہے۔ (۱۷)

خواھم بہ سوی کوی تو ای یار پر کشم

یاری اگر کند م پر و بال شکستہ ام (۱۸)

اس میں محبوب کی طرف روح کی پرواز کا واضع استعارہ ہے اور ٹوٹے ہوئے پر محبت کی راہ میں بے بسی اور مسائب کی علامت ہے۔ یہاں شاعر اس تڑپ اور رویے کے لیے پرندوں کی زبان استعمال کرتا ہے، گویا اس کی روح اس پرندے کی مانند ہے جو اپنے محبوب کے گھونسلے کی طرف اڑنے کا خواب دیکھتا ہے۔

از خار بیابان محبت نھراسی

در مرحلۂ عشق سراز پا نشناسی (۱۹)

اس شعر میں "کانٹا" اور "محبت کا صحرا" کے الفاظ استعاراتی طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ عشق کا صحرا "صوفیانہ محبت" کے خطرناک اور کٹھن راستے کا استعار اور "کانٹا" اس راستے میں موجود رکاوٹوں اور مصائب کا استعارہ ہے۔

آخر ای عشق روان سوز چہ ھستی کہ مدام

دل شرر بار چو برقی و جگر شعلہ زن است (۲۰)

اس شعر میں شاعر نے محبت کو ایک زندہ جلتی ہوئی مخلوق سے تشبیہ نہیں دی ہے بلکہ اسے براہ راست "روح جلانے والا" قرار دیا ہے۔ یہ استعارہ کی مثال ہے۔

"دل شرر بار" (برائی کا دل) اور "جگر شعلہ زن" (عورت کا جگر) زندہ اور پُر خوش استعارے ہیں۔ یہ تمام استعارے عاشق کی روح کی جلن، اندرونی ہنگامہ خیزی اور سوز کا اظہار کرتے ہیں اور محبت کے جذباتی اور دردناک ماحول کو بیان کرتے ہیں۔

بسینہ ام ز غم تو ھزار چاک افتاد

ز چشم حسرت من خون دل چکید، بیا (۲۱)

اس شعر میں شاعر نے استعارہ استعمال کیا ہے۔

"آنکھوں سے دل کا خون ٹپکنے کا مطلب درد اور غم کی شدت سے رونا ہے لیکن شاعر نے رونے کی بجائے اس دُکھ کا اظہار آنکھوں سے ٹپکے ہوئے دل کے خون کے استعارے سے کیا ہے۔ جو عاشق کی اندرونی شدت اور مبالغہ آمیز تصویر ہے۔

شنیدہ ام کہ بہ پروانہ شمع گریان گفت

کہ سوز عشق حدیثی بود کہ نتوان گفت (۲۲)

اس شعر میں "موم بتی" اور "تتلی" معشوق اور عاشق کے استعارے ہیں۔ موم بتی خود کو جلاتی ہے وہ محبوب کی نمائندگی کرتی ہے جو روشنی پھیلاتی ہے لیکن اندر درد سے بھری ہوتی ہے اور وہ تتلی جو روشنی کی خواہش سے اپنے آپ کو آگ لگاتی ہے یہ اس عاشق کی نمائندگی کرتا ہے جو محبوب میں فنا تلاش کرتا ہے۔ یہ استعارہ صوفیانہ ادب میں گہری جڑیں رکھتا ہے۔

تا کہ در بند بدن طایر جان خواھد بود

نام صیاد مرا ورد زبان خواھد بود (۲۳)

اس شعر میں روح کو استعاراتی طور پر "پرندہ" اور جسم کو "پنجرے" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ شاعر نے انسانی تناظر میں روح کی کیفیت کو پنجرے میں بند پرندے کی طرح پیش کیا ہے جو پرواز اور آزادی سے محروم ہے۔ "شکاری" بھی استعاراتی طور پر موت یا محبوب کی نمائندگی کرتا ہے جو جسم سے روح کی آزادی کو آزادی سمجھتا ہے۔ یہ استعارہ جسمانی جسم سے روح کی آزادی کی ایک صوفیانہ تصویر پیش کرتا ہے۔

تضاد:

جب ایک ہی شعر یا جملے میں الٹ معنی رکھنے والے الفاظ استعمال ہوں تو اسے تضاد کہتے ہیں۔(۲۴)

تو جلوہ ای فکن ای مہر رخ بہ بالینم

تمام شد شب تار و سحر دمید بیا (۲۵)

اس شعر میں "اندھیری رات" اور "صبح کے درمیان" ایک خوبصورت تضاد ہے۔ "رات" مصائب، جدائی اور درد کی علامت ہے۔ "صبح" دوبارہ اتحاد امید اور ایک نئی شروعات کی علامت ہے۔ یہ تضاد شاعر کے باطن کی تصویر کشی کرتا ہے۔

بیاد دلبری گیسو پریشان

عجب حال پریشان دارم اشب (۲۶)

اس شعر میں دو الفاظ "پریشان بال" اور "مضطرب مزاج" لفظی طور پر ایک جیسے ہیں۔ لیکن تصوراتی طور پر وہ ایک قسم کا مضمر تضاد پیدا کرتے ہیں۔ "پریشان بال" خوبصورتی کو ظاہر کرتا ہے لیکن "پریشان" مزاج سے مراد بے چینی اور اندرونی انتشار ہے۔ یہ تضاد نظم کو جذباتی لحاظ سے دوگنا کرتا ہے اور محبوب کی خوبصورتی کو عاشق کی تباہی کے ساتھ منسلک کرتا ہے۔

در این خزاں جوانی مرا بھاری نیست

مگر تو ای گل خندان بھار من باشی (۲۷)

اس شعر میں خزاں اور بہار دو مخالف عناصر میں تضاد ہے۔ افسردگی اور تازگی، مایوسی اور خوبصورتی کی امید کا یہ تضاد محبوب کی موجودگی اور غیر موجودگی میں عاشق کی ذہنی کیفیت و کو ظاہر کرتا ہے۔

مراعات النظیر:

جب ایک ہی خیال یا موضوع سے تعلق رکھنے والے الفاظ اکٹھے استعمال کیے جائیں تو مرعات النظیر کہلاتی ہے۔(۲۸)

ز باغ پر گل وریحان شعر جانسوزم

دلم ز بھر تو گل ھای عشق چید بیا (۲۹)

اس شعر میں الفاظ باغ، پھول، تلسی سب معنوی لحاظ سے ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں۔

بدل اندوہ جانان دارم امشب

درون سینہ مھمان دارم امشب (۳۰)

اس شعر میں الفاظ غم، دل، سینہ، مہمان کا تعلق ایک ہی معنوی لحاظ سے ہے جو اندرونی اور جذباتی تصورات ہیں۔ ان الفاظ کی ایک ساتھ موجودگی سے مماثلت اکا احساس پیدا ہوتا ہے جو تصویر اور احساس کو یکجا کرنے میں مدد کرتا ہے۔

سخن زتاب وتب عشق گرچہ مشکل بود

بیای شمع چو پروانہ رفت آسان گفت (۳۱)

اس شعر میں الفاظ گرمی، بخار، موم بتی، تتلی اور محبت معنوی لحاظ سے ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ایک ساتھ یہ الفاظ جلتی ہوئی محبت، درد، خواہش اور تباہی کے تصورات کا ایک مجموعہ پیدا کرتے ہیں۔ان کو مربوط طریقے سے استعمال کرنے سے نظم میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

چند پیمانہ بہ دست دگران خواهر داد

چند معشوق بہ کام دگران خواهد بود (۳۲)

اس شعر میں پیمائش، ہاتھ، محبوب اور روح کے الفاظ معنوی لحاظ سے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ تمام الفاظ محبت اور لذت کے دائرے میں آتے ہیں اور مل کر باہمی ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں۔

تشبیہ:

لفظ تشبیہ شبہ سے نکلا ہے۔تشبیہ علم بیان کی اہم شاخ ہے جس کے معنی مشابہت دینا ہے۔کسی ایک چیز کو کسی مشترک قدر کی بنیاد پر کسی دوسری چیز جیسا قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔واضح رہے کہ پہلی چیز دوسری چیز کے مساوی نہیں ہوگی بلکہ دوسری چیز پہلی چیز سے بڑھ کر ہوگی اور وہ خوبی یا خامی اس میں زیادہ پائی جاتی ہوگی جس کی بنا پر پہلی چیز کو دوسری سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔(۳۳)

تاموج خروشان وپرآشوب نگردی

پھناوری وقدرت دریانشناسی (۳۴)

اس شعر میں ایک واضح تشبیہ استعمال کی گئی ہے۔یہاں سچائی کے صوفیانہ متلاشی کو ایک تیز لہر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ایک لہر جو کہ ہنگامہ خیز ہے سمندر کی مجموعیت اور عظمت کا حصہ ہے۔یہ تشبیہ اس کے سفر میں صوفی کی ہنگامہ خیزی اور بے چینی کی نشاندہی کرتی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ ''سمندر کی وسعت'' کو وہی سمجھ سکتا ہے جو موج کی طرح خاموشی اور جمود سے نکل کر خواہش اور جذبے کے ہنگاموں سے آگے بڑھ گیا ہو۔

ازآن شمعی کہ دل پروانہ اوست

چہ آتش ھا کہ در جان دارم امشب (۳۵)

اس شعر میں عاشق اور معشوق کو تتلی اور موم بتی کی تصویر سے ظاہر کیا گیا ہے۔تتلی اس عاشق کی علامت ہے جو خود کو آگ لگاتا ہے اور موم بتی اس عاشق کی علامت ہے جو بے نیازی سے جلتا ہے۔شاعر اپنے آپ کو وہ تتلی سمجھتا ہے جس کے دل کو موم بتی نے قید کر لیا ہے اور یہ تمثیل رومانوی احساسات کی گہری تہوں اور محبت کی راہ میں جلتے ہونے کی عکاسی کرتی ہے۔یہ تشبیہ فارسی صوفیانہ ادب کے دکھ کی گہرائی کو ظاہر کرتی ہے جو عشق کی آگ میں جلنے سے نہیں بچتا بلکہ اس کو دل وجان سے قبول کرتا ہے۔

چشم مخمور گرآنست کہ من می بینم

نرگس البتہ بہ گلشن نگران خواهد بود (۳۶)

محبوب کی آنکھ کو ''نرگس'' سے تشبیہ دی جاتی ہے جو فارسی ادب میں ایک خوبصورت، نشہ آور اور دلکش آنکھ کے لیے سب سے زیادہ روایتی مثال ہے۔

ایہام:

جب کسی لفظ کے دو معنی ہوں اور شاعر ایسا لفظ لائے جو کہ بظاہر ایک معنی سمجھ میں آئے مگر اصل مطلب دوسرا ہو تو اسے ایہام کہتے ہیں۔(۳۷)

بہ درد عشق ندانم چہ لذتی باشد

کہ مبتلای ولای تو ترک درمان گفت (۳۸)

اس شعر میں لفظ ''علاج'' مبہم ہے۔ایک طرف اس کا مطلب طبی علاج اور درد سے نجات ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اس کا مطلب جدائی اور محبت کے درد کا علاج کرنا ہو سکتا ہے۔اس شعر میں عاشق محبت کے میٹھے درد سے اس قدر مغلوب ہے کہ وہ سنبھلنا نہیں چاہتا بلکہ اس تکلیف سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

زباغ پرگل وریحان شعر جانسوزم

دلم زبھر تو گل ھای عشق چید بیا (۳۹)

اس شعر میں لفظ ''پھول'' مبہم ہے۔ایک طرف تو اس میں قدرتی پھولوں کے حقیقی معنی ہیں اور دوسری طرف اس سے مراد شاعری کی صورت میں احساسات کے روحانی اور نازک پھول ہیں۔شاعر کے دل نے اپنے اشعار میں اپنے محبوب کے لیے محبت کے پھول سجائے ہیں یعنی وہ اپنے بہترین احساسات کو شاعری کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

اغراق:

کسی بات کو حد سے بڑھا کر بیان کرنا تاکہ زورِ بیان پیدا ہو،اغراق کہلاتا ہے۔(۴۰)

به سینه ام ز غم تو هزار چاک افتاد
ز چشم حسرت من خون دل چکید بیا(۴۱)

اس شعر میں سینے کی دراڑ کے لیے ''ہزاروں'' اور آنسوؤں کے لیے ''دل کا خون'' مبالغہ آرائی کی علامتیں ہیں۔یہ مبالغہ آرائی محبت کے درد اور تکلیف کو بڑھانے اور نظم کی جذباتی اثر اور موثر کردار ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

تکرار:

کسی لفظ یا فقرے کو زور پیدا کرنے یا حسنِ بیان کے لیے دہرانا تکرار کہلاتا ہے۔(۴۲)

بیا که لاله به دشت و دمن دمید بیا
بیا بیا که مرا جان به لب رسید بیا(۴۳)

اس شعر میں لفظ ''بیا'' کو کئی بار دہرایا گیا ہے۔جس سے ایک قسم کی تکرار پیدا ہوتی ہے۔جو دونوں ہی عاشق کی میزبانی کو ظاہر کرتی ہے۔یہ تکرار پوری نظم میں نظر آتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

۱۔ اختر، نسرین، تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۶م)، ص ۲۸۲
۲۔ عبدالرشید، تذکرہ شعرای پنجاب کراچی (کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۷م)، ص ۵۱
۳۔ اختر، نسرین، تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۶م)، ص ۲۸۲
۴۔ احمد، ظہورالدین، پاکستان میں فارسی ادب، اسلام آباد (اسلام آباد: یونیورسٹی بک ایجنسی، ۲۰۰۵م)، ج ۶، ص ۲۲۸
۵۔ حاج سید جوادی، سید کمال گنجینہ دانش اسلام آباد (بی جا ۱۳۱۷ش)، ص ۳۱
۶۔ اکرام، سید محمد اکرم، سفینہ سخن، اسلام آباد (اسلام آباد: رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، ۱۹۹۲م)، صص ۲۱۰۔۲۱۳
۷۔ ریاض، محمد وصدیق شبلی، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور (لاہور: بسمہ کتاب گھر، ۱۹۸۷م)، ص ۲۴۴
۸۔ اکرام، سید محمد اکرم، اقبال در راہ مولوی، لاہور (لاہور: اقبال اقادمی، ۱۹۷۰م)، ص ۲۸۲
۹۔ حاج سید جوادی، سید کمال گنجینہ دانش اسلام آباد (بی جا ۱۳۱۷ش)، ص ۲۱
۱۰۔ اختر، نسرین، تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۶م)، ص ۲۸۲
۱۱۔ ماکان، محمد بقائی، تصوف در تصور اقبال شبستری و کسروی، تھران، فردوس، (بی جا، ۱۳۸۰ش)، صص ۱۲۹۔۱۵۱
۱۲۔ احمد، ظہورالدین، پاکستان میں فارسی ادب، اسلام آباد (اسلام آباد: یونیورسٹی بک ایجنسی، ۲۰۰۵م)، ج ۶، ص ۲۲۸
۱۳۔ حسن ظہیر، احمد فراز کی شاعری کا فنی مطالعہ: بدیع وبیان کے تناظر میں، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد اگست ۲۰۲۱، ص ۲۳
۱۴۔ اکرام، سید محمد اکرم، پروانہ پندار، تہران (تہران: ۱۳ اردی بہشت ۱۳۴۳)، ص ۶

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ عابد، سید عابد علی، البیان، مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور، ص ۲۰

۱۸۔ اکرام، سید محمد اکرم، پروانہ پندار، تہران (تہران: ۱۳اردی بہشت ۱۳۴۳)، ص ۸

۱۹۔ ایضاً، ص ۶

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۶

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۶

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۲

۲۴۔ عابد، سید عابد علی، البدیع، مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور، ص ۲۳۸

۲۵۔ اکرام، سید محمد اکرم، پروانہ پندار، تہران (تہران: ۱۳اردی بہشت ۱۳۴۳)، ص ۱۲

۲۶۔ ھ ایضاً، ص ۱۷

۲۷۔ ایضاً، ص ۲۸

۲۸۔ خان، ڈاکٹر سہیل احمد الرحمن، محمد سلیم منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۲۵

۲۹۔ اکرام، سید محمد اکرم، پروانہ پندار، تہران (تہران: ۱۳اردی بہشت ۱۳۴۳)، ص ۱۲

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۴

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۶

۳۲۔ ایضاً، ص ۲۲

۳۳۔ عابد، سید عابد علی، البیان، مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور، ص ۱۸

۳۴۔ اکرام، سید محمد اکرم، پروانہ پندار، تہران (تہران: ۱۳اردی بہشت ۱۳۴۳)، ص ۶

۳۵۔ یضاً، ص ۱۴

۳۶۔ ایضاً، ص ۲۲

۳۷۔ خان، ڈاکٹر سہیل احمد الرحمن، محمد سلیم منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۲۱

۳۸۔ اکرام، سید محمد اکرم، پروانہ پندار، تہران (تہران: ۱۳اردی بہشت ۱۳۴۳)، ص ۱۸

۳۹۔ ھ ایضاً، ص ۱۲

۴۰۔ خان، ڈاکٹر سہیل احمد الرحمن، محمد سلیم منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۲۶

۴۱۔ اکرام، سید محمد اکرم، پروانہ پندار، تہران (تہران: ۱۳اردی بہشت ۱۳۴۳)، ص ۱۲

۴۲۔ عابد، سید عابد علی، البدیع، مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور، ص ۲۵۵

۴۳۔ اکرام، سید محمد اکرم، پروانہ پندار، تہران (تہران: ۱۳اردی بہشت ۱۳۴۳)، ص ۱۴

Bibliography

1. Abdul Rashid, *Tazkira Shora i Punjab*, (Karachi: Iqbal Academy Pakistan, 1967)

2. Ahmed, Zahoor ul Din, *Pakistan Me Farsi Adab*, Vol 6, (Islamabad: University Book Agency, 2005)
3. Akthar, Nasreen, *Tareekh e University Oriental College Lahore*, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006)
4. Haj Syed Jwadi, Syed Kamal, *Ganjina e Danish*, (Islamabad: 1371AS)
5. Ikram, Syed Muhammad Akram, *Iqbal Dar Rah e Mawlavi*, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1980)
6. Ikram, Syed Muhammad Akram, *Parwana e Pindar*, (Tehran: 1343AS)
7. Makan, Muhamad Baqai, *Tasawaf Dar Tasawar e Iqbal*, Shabstari Wa Kasarvi, (Tehran: Ferdows, 1380AS)
8. Radwayani, Muhammad bin Omar, *Tarjman ul Blagha* (Tehran: Nashr e Anjman o Ashar o Mufakhar Farhngi, 1949)
9. Shamisa, Seros, *Badie*, (Tehran: Nasher e Mitra, 1374AS)

❖❖❖